جناب عبدالرشید عراقی

اسلام
دوسرے مذاہب کے مقابلے میں!

مخالفین اسلام کا یہ اعتراض کہ "اسلام بزورِ شمشیر پھیلا" آج کل سخن تکیہ ہو گیا ہے۔ اگرچہ مؤرخین اسلام نے ناقابلِ انکار دلائل و حقائق سے اس اعتراض کو لغو اور بے بنیاد ثابت کیا ہے۔ تاہم کورانہ تقلید کا بُرا ہو کہ تعصب کے پیشِ نظر یہی رٹ لگا رہے ہیں، کہ "اسلام بزورِ شمشیر پھیلا ہے" اگر یہ لوگ تعصب کی عینک اتار کر دیکھیں تو انھیں صحیح حقیقتِ حال کا پتہ چل جائے۔

اب میں یہاں اسلام کا مقابلہ دیگر مذاہب سے کر کے دکھاؤں گا کہ کس مذہب میں تشدد اور سختی کا عنصر زیادہ غالب ہے۔ اور کس دین کی اشاعت تلوار کی زیادہ رہینِ منت ہے۔

اس مقصد کیلئے میں دینِ زردشت، یہودیت، عیسائیت، ہندوازم اور بدھ مت پر اکتفا کروں گا۔ کیونکہ وہ دُنیا کے صلح کُل اور پُرامن مذاہب کہلاتے ہیں، اور عموماً ان ادیان کے علمبردار اسلام پر حرف لاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اسلام کی اشاعت و ترقی ہماری قوت کی ممنونِ احسان ہے۔

اسلام سے پہلے کے تمام مذاہب قومی تھے یعنی ایک قوم کے ساتھ مخصوص تھے کسی دوسرے کو اس میں شامل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ ظہورِ اسلام کے وقت پانچ بڑے مذہب تھے، زردشت، یہودیت، عیسائیت، ہندوازم اور بدھ مت۔ لیکن یہ اپنے ماننے والوں کے ہاتھوں اتنے مسخ ہو چکے تھے کہ خود اپنی قوم کی رہنمائی سے قاصر تھے، دوسروں کی ہدایت و رہنمائی کیا کر سکتے۔

دینِ زرتشت :

زرتشت مغربی ایران (آذربائیجان کے علاقہ میں) ولادتِ مسیح سے ۶۶۰ برس قبل پیدا ہوتے ہیں۔ ابتدائی ایام گمنامی میں گزرتے ہیں۔ ۳۰ سال کی عمر میں "فرشتہ خیر" کی معیت میں عالمِ بالا کی طرف پرواز کرتے ہیں۔ خداوندِ عالم "اہرمزد" کی باریابی ہوتی ہے۔ خلعتِ نبوت عطا ہوتا ہے۔ اور تبلیغ و اشاعت کا منشور لے کر زمین پر قدم رکھتے ہیں۔ دو سال تک کفر و فسق کے دو سرغنوں "کیونیز" اور "کارنیز" کو بحکم اہرمزد قبول مذہب پر زور دیا جاتا ہے مگر بے سود، پھر شاہ طوران کو مذہب کی دعوت دی جاتی ہے۔ وہ حسنِ سلوک اور خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتا ہے۔ مگر دعوت رد کر دیتا ہے، جس کی سزا میں وہ خاکستر ہو جاتا ہے۔ اس کا حسنِ سلوک بھی اُسے مؤاخذہ سے نہیں بچاتا۔ بعد ازاں ایک دوسرے بادشاہ کا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے۔ مگر وہاں بھی ناکامی سے واسطہ پڑتا ہے۔ آخر اسی مایوسی کی حالت میں زرتشت پھر عالمِ بالا کی سیر کرتے ہیں۔ "اہرمزد" کی طرف سے دلجوئی ہوتی ہے، اور بادشاہ مذکور کی تباہی کا یقین دلایا جاتا ہے۔ تب وہ زمین پر اترتے ہیں۔ چاروں طرف تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ جاری کیا جاتا ہے۔ اور "اہرمزد" کا پیغام سب کو سنایا جاتا ہے۔ مگر ایک متنفس بھی رخ نہیں کرتا۔ آخر وہ سیستان جاتے ہیں۔ غزنی کے حاکم "پرشات" کو مذہب کی طرف بلایا جاتا ہے۔ وہ حق کی پرستش اور باطل کے ترک کرنے پر راضی ہو جاتا ہے۔ مگر جدید مذہب قبول کرنے کی حامی نہیں بھرتا۔

اس دورِ ناکامی میں زرتشت کے پاس وقتاً فوقتاً نفوسِ قدسیہ آتے جاتے رہتے ہیں۔ اور ان کی ہمت افزائی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اس سے ان کے مشن کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ آخر مجبور ہو کر "اہرمزد" کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ وہاں ان کو کتاب مقدس "اوستا" عطا ہوتی ہے۔ اور آئندہ مذہب کے فروغ کی امید دلائی جاتی ہے۔ لیکن یہ امید اب بھی موہوم ثابت ہوتی ہے۔ اور دس سال کی سرگشتی اور جانفشانی میں صرف ایک شخص (اور وہ بھی اُن کا قریبی رشتہ دار) مذہب قبول کرتا ہے۔ آخر جب مایوسی حد سے زیادہ تجاوز کر جاتی ہے۔ تب وہ "اہرمزد" کے پاس شکایت کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جب دس سالہ تگ و دو میں مجھے صرف ایک حامی مل سکا۔ تو پھر مذہب کی

ترقی معلوم ہی معلوم ہے۔ "اہرمزد" ان کو تسلی دے کر بلخ جانے کی تاکید کرتے ہیں۔ اور شاہ گستاسپ کے ہاں قسمت آزمائی کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ دو سال کے اندر ایک عظیم الشان مذہبی انقلاب کی پیشینگوئی کرتے ہیں۔

زردشت حسبِ ہدایت بلخ جاتے ہیں۔ گونہ بحث و مباحثہ کے بعد گستاسپ مذہب قبول کر لیتا ہے۔ اور پھر فوراً سارے ایران میں ایک مذہبی ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے وہ مذہب جو ایران کے طول و عرض میں ایک عرصہ تک بے برگ و بار اور بے سروسامان چکر لگاتا رہا۔ اب اس کے فروغ و ترقی کے لئے مادی قوت سے امداد لی جاتی ہے۔ زردشت کے حکم کے مطابق گستاسپ شاہ طوران کو خراج دینا بند کر دیتا ہے۔ مذہب کے نام سے میدانِ جنگ آراستہ کیا جاتا ہے۔ شمشیریں بے نیام کی جاتی ہیں۔ قتل و خون کا بازار گرم کیا جاتا ہے۔ اس قیامت خیز طوفان کے ذریعہ سے دین زردشت سارے ایران میں متمکن کیا جاتا ہے۔

اس مختصر مگر جامع داستان پر نظر ڈالنے سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:۔

۱۔ جب تک دینِ زردشت کا انحصار روحانی عظمت و تقدیس پر رہا۔ اُسے مطلقاً کامیابی نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ ایک شخص کے سوا کوئی مذہب کو قبول نہ کر سکا۔

۲۔ جونہی مادی قوت نے آ کر دینِ زردشت کی دستگیری کی۔ اور روحانی عظمت کے بدلے شمشیر آہنی کا دَور دورہ ہوا۔ تو سارے ملک میں مذہب کی اشاعت ہو گئی۔

۳۔ مذہب کی دعوت رد کرنے والوں پر زردشت (خدائی قہر کے لئے) بددعائیں کرتے تھے۔ اور اس طرح تشدد اور دھمکی کے ذریعہ اپنا مذہب قبول کرانا چاہتے تھے۔

۴۔ زردشت نے بادشاہ گستاسپ کو شاہِ طوران کو خراج دینے سے روک دیا۔ اور مذہب کے نام سے گستاسپ کو لشکر کشی اور صف آرائی پر آمادہ کیا۔

ان واضح اور بیّن مقدمات سے کیا کوئی صائب الرائے بجز اس کے اور کوئی نتیجہ نکال سکتا ہے کہ دینِ زردشت کی اشاعت مادی قوت اور زورِ شمشیر کی رہینِ منت تھی۔

یہودیت:

یہودی مذہب بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھا۔ توریت میں ہے کہ:

"موسیٰ نے ہم کو ایک شریعت دی۔ جو بنی اسرائیل کی میراث ہوئی۔" (استثناء ۳۳-۴)

"اس کا خاص مقصد بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے چھڑانا تھا"
(خروج ۳- درس ۷ تا ۱۲)

دوسری جگہ فرمایا:
"بنی اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا ہے" (خروج ۴- ۲۲)
قرآن مجید میں بھی ہے کہ ان کا دعویٰ تھا کہ وہی خدا کی چہیتی اولاد ہیں:
نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ۔ "ہم خدا کے فرزند اور اس کے چہیتے ہیں"۔
(المائدۃ: ۱۸)

لیکن عملاً وہ خدا کے سب سے بڑے باغی تھے۔ تمرد اور سرکشی اُن کی فطرت تھی۔ اپنے پیغمبروں کو قتل کر دیتے تھے۔ توریت، انجیل اور قرآن مجید اُن کی بداعمالیوں کے ذکر سے معمور ہیں۔

زبور میں ہے:
"کتنی بار انھوں (بنی اسرائیل) نے بیابان میں خدا سے بغاوت کی۔ اور ویرانے میں اسے بیزار کیا۔ اور اس کی شہادتوں کو حفظ نہ کیا بلکہ برگشتہ ہوئے۔ اور اپنے باپ دادوں کے مانند بے وفائی کی۔ اور ٹیڑھی کمان کی مانند ایک طرف پھر گئے"۔
(زبور- ۱۸)

انجیل متی کا ۳۰ واں باب اُن کی مذمت سے بھرا ہوا ہے۔ اس کا ایک نمونہ یہ ہے:
"اے ریاکار فقیہو! فریسیو! افسوس تم سپیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو، جو باہر سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ پر بھیتر سے مُردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی ناپاکی سے بھری ہوئی ہیں۔ اس طرح تم بھی ظاہر میں لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو۔ پر باطن میں ریاکار، اور شرارت سے بھرے ہوئے ہو۔ اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس، کیونکہ نبیوں کی قبر بناتے اور راستبازوں کی گور سنوارتے ہو، اور کہتے ہو کہ اگر ہم اپنے باپ دادوں کے دنوں میں ہوتے تو نبیوں کے خون میں اُن کے شریک نہ ہوتے۔ اس طرح تم اپنے اوپر گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو۔ پس اپنے باپ دادوں کا پیمانہ بھرو۔ اے سانپو! اور سانپوں کے بچو! تم جہنم کے عذاب سے کیونکر بھاگو گے"۔ (انجیل متی، باب ۳۰)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کی اخلاقی حالت کتنی پست تھی۔ قرآن مجید میں سورۂ بقرہ اور آلِ عمران میں اُن کی بداعمالیوں کی پوری تفصیل ہے۔ ان میں شریفانہ اخلاق کا شائبہ بھی باقی نہ رہ گیا تھا۔ اسی لئے وہ ہمیشہ دوسری قوموں کے تختۂ مشق بنتے رہے۔ اُن کا قبلہ تک اُن کے ہاتھوں سے چھن گیا۔ اور مختلف اوقات میں مختلف قوموں نے اس پر قبضہ کرکے یہودیوں کے مقدس مقامات کو مسمار اور اُن کی مذہبی کتابوں کو نیست و نابود اور ان کو غلام بناکر مختلف ملکوں میں منتشر کردیا۔ ان کا کوئی قومی وطن نہ رہ گیا تھا۔ وہ یورپ، ایشیاء اور افریقہ میں صدیوں غلامی کی ذلت آمیز زندگی بسر کرتے رہے۔ پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد تک اُن کی یہی حالت تھی۔ پھر برطانیہ اور امریکہ کے سہارے سے اُن کو فلسطین میں قدم جمانے کا موقع ملا۔

یہودیوں میں ظاہر پرستی اور تشدد زیادہ تھا۔ لیکن اخلاقی حیثیت سے بالکل تہی مایہ تھے۔ اخلاق و روحانیت کے فقدان نے اُن میں بڑی شقاوت پیدا کردی تھی۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام اسی کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔

عیسائیت :

عیسائی مذہب میں ظاہر پرستی اور تشدد کے مقابلہ میں اخلاقی روحانیت پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور اس کی اخلاقی روحانی تعلیمات زیادہ بلند ہیں۔ لیکن جہاں تک عیسائی مذہب کی عالمگیریت کا تعلق ہے، اس کا دائرہ بھی یہودی مذہب سے زیادہ وسیع نہیں۔ گر بعد کے عیسائیوں نے اس کو تبلیغی مذہب بنادیا۔ لیکن خود عیسائیت کا مقصد صرف یہودی مذہب اور یہودیوں کی اصلاح تھی۔ انجیل میں ہے کہ :

"میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے علاوہ اور کسی کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ مناسب نہیں کہ لڑکوں (بنی اسرائیل) کی روٹی کتوں کے لئے پھینک دوں۔"

(انجیل متی۔ ۱۵-۱۰)

حضرت عیسٰی علیہ السلام ایک معجزانہ طریقہ سے عالم وجود میں آتے ہیں۔ بچپن کے دن معجزہ اور کرامات کے اظہار میں گزرتے ہیں۔ بعدازاں اپنے مذہب کی اشاعت شروع کرتے ہیں۔ اور خدائے واحد کی پرستش کی تاکید کرتے ہیں۔

بایں ہمہ عیسائی مذہب کی تعلیمات نہایت پاکیزہ اور اخلاق و روحانیت سے معمور ہیں۔ اور ان میں یہودی مذہب کی درشتی اور تنگ نظری کے مقابلے میں زیادہ وسعت، زیادہ نرمی، اور

انسانی ہمدردی ہے۔ لیکن ابھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دُنیا سے رخصت ہوئے زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا۔ کہ ان کے پیروؤں نے اس کو خرافات کا مجموعہ بنا دیا۔ حضرت عیسیٰ کے روحانی شاگرد سینٹ پال جو اس زمانہ کے مختلف علوم و فنون میں ید طولیٰ رکھتا ہے۔ مسیحیت کی سیدھی سادی تعلیمات میں موقع و محل کے لحاظ سے مختلف اصول و ضوابط کا اضافہ کر دیتا ہے۔ اور دُنیا کے سامنے اُسے ایک جدید قالب میں پیش کرتا ہے۔ یعنی باپ، بیٹے، روح القدس کی الوہیت کا مشرکانہ عقیدہ اس میں داخل کرتا ہے۔ اور پھر اس جدید مسیحیت کی اشاعت کی انتہائی کوشش کی جاتی ہے۔ اور حتی الوسع کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جاتا۔ اور جو قومیں عیسائی مذہب کے دائرہ میں داخل ہوئیں۔ اُنھوں نے اس عقیدے کے ساتھ ساتھ اپنے دیوی دیوتاؤں کو بھی اس میں شامل کر لیا۔ اور عیسائیت مختلف اور متضاد عقائد و خیالات کا مجموعہ مرکب بن گئی۔

رُومیوں کے عیسائیت قبول کرنے کے سلسلے میں ڈریپر لکھتا ہے:

"اور ان دونوں (عیسائی اور بت پرست رومی) کی کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کے اصول شیر و شکر ہو گئے۔ اور ایک نیا مذہب پیدا ہو گیا، جس میں بت پرستی اور عیسائیت دونوں کی شاخیں پہلو بہ پہلو جلوہ گر تھیں۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، وہ مذہبی عقائد جن کی تفصیل مرٹلین نے بیان کی ہے، بدل کر ایک عام پسند گرپایۂ اخلاق سے گرے ہوئے مذہب کی شکل اختیار کرتے گئے۔ ان عقائد میں قدیم یونانیوں کی اصنام پرستی کا عنصر مخلوط ہو گیا۔ عقیدۂ تثلیث قدیم مصری روایات کے سانچے میں ڈھالا گیا۔ اور مریم عذرا کو خدا کی ماں کا لقب دیا گیا۔"

(معرکہ مذہب و سائنس ڈریپر صفحہ ۶۴، ۶۵، ۶۶)۔

عیسائیت کا سب سے عجیب عقیدہ کفارہ کا ہے۔ یعنی سارے انسان پیدائشی طور پر گناہگار ہیں، مسیح نے سولی پر چڑھ کر ان کا کفارہ ادا کیا۔ اس عقیدے کو آج کوئی عقلِ سلیم قبول نہیں کر سکتی۔

جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں، کہ یہودیت کے مقابلہ میں عیسائیت میں تشدد، درشتی اور تنگ نظری نہیں تھی۔ مگر بعد میں یہ سب چیزیں اس میں داخل ہو گئیں۔ ۳۲۵ء میں روم کے عظیم الشان تخت پر قسطنطین متمکن ہوتا ہے۔ اور اس مذہب کو درباری و ملکی مذہب قرار دیتا ہے۔ اور مذہب کی بنیاد تلوار کی نوک پر رکھی جاتی ہے۔ جبر و اکراہ کا سلسلہ جاری کیا جاتا ہے۔

اور ہر طرح سے تشدد آمیز ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں۔ پادریوں کا طبقہ شاہی قوت کے بل پر مذہب کو ایک وسیلۂ عیش و عشرت سمجھتا ہے۔ اور خلائق کے عقول و افہام کی بجائے ان کی حسیات و جذبات کو ابھار کر اپنا کام نکالتا ہے۔ آخر کار مسیحیت جو اپنے مقدس بانی کی حیات میں ایک درجن سے زیادہ پیرو حاصل نہ کر سکی۔ اور جو ان کی وفات کے بعد بھی مدتوں تک کس مپرسی میں پڑی رہی۔ اب یکایک پھولنے پھلنے لگی ہے۔ اور قلیل عرصہ میں اکثر ممالک میں پھیل جاتی ہے۔ بعد ازاں جنگِ صلیبی کے نام سے حامیانِ مسیحیت نے جو قیامت خیز طوفان برپا کیا۔ وہ سلسلۂ واقعات کی کوئی غیر معمولی کڑی نہ تھی۔ یہ عالمگیر ہنگامہ درحقیقت اگلے علمبردارانِ مسیحیت کی پیہم اور مسلسل چیرہ دستیوں کا تکملہ تھا۔

ہندو ازم:

ہندو مذہب اگرچہ نہایت قدیم ہے۔ اور اس میں اعلیٰ درجہ کی اخلاقی و روحانی اور حکیمانہ تعلیمات ہیں، اور اس کا ایک فلسفہ بھی ہے، لیکن یہ مذہب اتنا پرانا ہو چکا ہے۔ اور اس میں اتنے تصرفات ہو چکے ہیں کہ وہ مجموعۂ اضداد بن گیا ہے۔ اس میں توحید بھی ہے، شرک و بت پرستی بھی ہے اور الحاد و دہریت بھی۔ اس کے کوئی بنیادی عقائد ہی نہیں ہیں، جن کا ماننا ہر ہندو کے لئے ضروری ہو۔ ایک موحد بھی ہندو ہے، مشرک بھی ہندو ہے اور ملحد و دہریہ بھی ہندو۔ بس اس کے لئے ہندی الاصل ہونا، اور اس کے ان متضاد مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کا ماننا کافی ہے۔

اس مذہب کی سب سے بڑی خرابی طبقاتی تقسیم ہے۔ جن کے حقوق و فرائض متعین ہیں۔ جن سے باہر وہ قدم نہیں نکال سکتے۔ منوسمرتی کی رو سے برہمن، کشتری، ویش اور شودر کا جو درجہ اور فرائض متعین ہیں، ان سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتے۔ شودروں کی حیثیت غلاموں سے بدتر ہے۔ ان کا کام صرف اپنے سے اعلیٰ طبقوں کی خدمت ہے۔ ان کا سایہ بھی اعلیٰ طبقوں کے افراد پر پڑ جانا جرم ہے۔ ان کو ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کو سننے اور ان کی عبادت گاہوں میں داخلہ تک کی اجازت نہیں۔ اس کی پوری تفصیل منوسمرتی میں موجود ہے۔ پھر یہ مذہب قومی ہے۔ یعنی کسی دوسرے مذہب کا پیرو اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایک زمانہ تک ہندوؤں میں دوسرے مذاہب اور دوسری قوموں سے اس قدر چھوت تھی کہ وہ ان کا سایہ بھی اپنے اوپر نہ پڑنے دیتے تھے، ہندوستان سے باہر نکلنا ان کے لئے حرام تھا۔ ان حالات میں وہ دوسروں کی رہنمائی کیا کر سکتا ہے؟

گو اب مسلمانوں کی اور عیسائیوں کی تقلید میں ہندو مذہب کو بھی تبلیغی بنانے کی کوشش کی جارہی ہے لیکن جب تک وہ اپنے اصولوں کا پابند ہے، وہ تبلیغی مذہب نہیں بن سکتا ـــــ ہندو دھرم درحقیقت اصطلاحی معنوں میں مذہب نہیں بلکہ صرف ایک معاشرتی نظام اور زندگی بسر کرنے کا ایک طریقہ ہے۔

<u>بدھ مذہب:</u>

۵۶۳ ق م ـ گوتم بدھ ایک شاہی خاندان میں پیدا ہوتے ہیں ـ ایام طفولیت خاموشی اور اداسی میں گزرتے ہیں۔ ۲۰ سال کی عمر میں شادی ہوجاتی ہے ـ دس برس کی پرسکون زندگی کے بعد گوتم بدھ کی طبیعت یکایک دنیا سے اچاٹ ہوجاتی ہے ـ وہ رات کو گھربار اور اہل وعیال کو چھوڑ کر جنگل کی راہ لیتے ہیں ـ راہِ حق کی جستجو میں برسوں خاک چھانتے ہیں ـ متعدد برہمنوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنا پڑتا ہے ـ اور ہر طرح فیض سے استفادہ کرنا ہوتا ہے مگر ان تمام مساعیٔ جمیلہ میں مصائبِ زندگی کے دفعیہ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ـ

آخر مایوسی کے عالم میں گیا پہنچتے ہیں ـ ایک درخت کے سایہ میں مراقبہ میں جاتے ہیں، امید کی کرنیں منعکس ہوتی ہیں اور پھر ۳۷ سال کی عمر میں تمام اسرارِ زندگی فاش ہوجاتے ہیں ـ

گوتم بدھ اب خلائق کے سامنے ایک ہادی اور رہبر کے قالب میں جلوہ گر ہوتے ہیں ـ حیاتِ انسانی کے امراض کی دوا بتاتے ہیں اور نہایت سرگرمی کے ساتھ تبلیغ میں مشغول ہو کر ہر شخص کو مذہب کی دعوت دیتے ہیں ـ یہ سلسلہ ۴۳ سال تک یعنی ان کی وفات ۴۸۳ ق م تک جاری رہتا ہے ـ مگر اس طول طویل عرصہ میں اس جدید مذہب کی اشاعت ایک قصبہ تک محدود رہتی ہے ـ

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم ایڈیٹر ماہنامہ معارف "اعظم گڑھ" بدھ مت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"بدھ مت کو البتہ تبلیغی مذہب کہا جاسکتا ہے ـ لیکن اس مذہب کا بنیادی پتھر یعنی خدا اور آخرت کا تصور ہی سرے سے غائب ہے ـ اگر کبھی رہا بھی ہو تو اب اس کی تعلیمات میں اس کا مطلق پتہ نہیں چلتا ـ بلکہ اب اس میں بھی ہندوؤں کی بت پرستی کے اثر سے بدھ کی پوجا رائج ہوگئی ہے ـ بدھ ازم درحقیقت برہمنی مذہب کی تنگ نظری اور تشدد کے خلاف ردِ عمل اور اس کی اصلاحی شکل ہے ـ جس کی بنیاد انسانی اخوت و ہمدردی اور ترکِ دنیا پر ہے ـ اس میں ہندوستان کے دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں زیادہ رواداری اور انسان دوستی ہے ـ لیکن جس مذہب میں خدا اور یومِ آخرت کا تصور نہ ہو، وہ مذہب ہی

کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ اور جس کی بنیاد ترکِ دنیا پر ہو، وہ عالمِ انسانیت کا مذہب نہیں بن سکتا۔ اس لئے بدھ مت اصطلاحی معنوں میں کوئی مذہب نہیں۔ بلکہ اشتراکی حکماء کے راہبانہ تصور کی طرح ترکِ دنیا کے ذریعہ آلامِ دنیا سے رستگاری اور روحانی طمانیت اور سکون حاصل کرنے کا ایک زاہدانہ اور راہبانہ فلسفۂ زندگی ہے۔" (دینِ رحمت ص۱۲۸)

(بقیہ آئندہ ان شاء اللہ)

بقیہ صفحہ ۴۴ سے آگے:

۔۔۔ یا چراغاں کرنا یا قبروں پر بیٹھ کر قرآنِ مجید کی تلاوت کرنے کو ثواب جاننا یا قبر پر گنبد قائم کرنے کی شریعتِ محمدیہ میں کوئی اصل نہیں۔ نہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فداہ ابی و امی کے فرمانبردار خلفاء اربعہ نے ایسا کیا نہ ایسا کرنے کی ہدایت فرمائی۔ نہ وہ کسی اہم سنت کے تارک ہوئے، نہ انہوں نے حضورؐ کا کوئی ایسا فرمان سنا یا جس سے تعظیم القبور کا جواز مترشح ہو۔

ساتھ ہی اس امر کا بھی اعلان کر دینا ضروری ہے کہ کسی امتی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دین میں کوئی ایسی اختراع کرے جس کی دلیل قرآن و حدیث میں مذکور نہ ہو اور اس پر ثواب کا لالچ دے کر عامۃ الناس کو دعوت دے۔ قرآنِ مجید سے بڑھ کر کوئی شے تلاش کے لئے نہیں۔ سنتِ رسولؐ سے بڑھ کر کوئی عمل پسندیدۂ عزوجل نہیں۔ پھر کسی شخص کے فرامین کو یہ مرتبہ حاصل نہیں کہ اس کے اقوال حدیثِ نبوی سے فزوں تر باعثِ تقرب الی اللہ ہو سکیں۔ میرے خیال میں تقلیدِ شخصی کے بعد مسلمانوں کو صراطِ مستقیم سے ہٹانے اور پستی میں لے جانے میں قبروں کی تعظیم و تکریم اور توہمات پرستی کو ایک حد تک بڑا دخل ہے۔

برادرانِ اسلام! جب تک بیہودہ مراسم کو ترک کرنے پر تیار نہ ہو جاؤ گے، معرفتِ الٰہی حاصل نہ ہوگی۔

وما ارید الا الاصلاح!

(بشکریہ پندرہ روزہ "اہلحدیث" (انڈیا)

ایڈیٹر "الاعتصام" کو صدمہ

ایڈیٹر الاعتصام، مولانا حافظ صلاح الدین یوسف کی والدہ محترمہ ۱۸ مئی بروز جمعہ انتقال فرما گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ قارئین دعا فرمائیں، اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین! ——— ادارۂ ترجمان، جناب حافظ صاحب کے اس غم میں شریک اور مرحومہ کیلئے دعا گو ہے!

(ادارہ)